رپورٹ

مرتبہ

ابوالحسن علی

معتمد دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جو

جلسۂ انتظامیہ ندوۃ العلماء منعقدہ ۱۰ر جون سنہ ۱۹۶۱ء

میں پڑھی گئی

www.abulhasanalinadwi.org

رپورٹ

معتمد دارالعلوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ ،

حضرات ارکان مجلس انتظامی ندوۃ العلماء ،

ہم آپ دو سال کے بعد جمع ہو رہے ہیں، میرا فرض ہے کہ اس مدت میں جو اہم واقعات اور مسائل پیش آئے اور دارالعلوم کی ترقی اور اس کے منصوبوں کی تکمیل کے لئے جو کوششیں کی گئیں ان کو مجملاً آپ کے سامنے پیش کروں۔

ماضی قریب ہی کا نہیں، ندوۃ العلماء کی تاریخ اور ہماری اجتماعی زندگی کا نہایت اہم حادثہ، ڈاکٹر حکیم مولانا سید عبد العلی صاحب ناظم ندوۃ العلماء کی وفات کا حادثہ ہے جو ۲ مئی سنہ ۱۹۶۱ء کو پیش آیا۔ مشیت الٰہی ہے کہ اس حادثہ کے تذکرہ کا ناخوشگوار فرض اس کو انجام دینا پڑ رہا ہے جس کے لئے یہ واقعہ بالکل ذاتی نوعیت اور اہمیت کا ہے، اگر ندوۃ العلماء اس موقع پر اپنے ایک مخلص و بے لوث، سرگرم و دیرینہ رہنما اور کارکن سے اور حضرات ارکان مجلس انتظامی و بہی خواہان ندوۃ العلماء اپنے ایک معتمد رفیق کار اور ایک بہترین مشیر و کارگذار کی خدمات اور اس کی نادر الوجود صلاحیتوں اور خصوصیات سے محروم ہوگئے ہیں تو یہ ناچیز محض ایک شفیق و ناز بردار بھائی کی شفقت ہی سے نہیں بلکہ صحیح معنی میں سایۂ پدری سے محروم ہوگیا ہے، نجی و خانگی زندگی کے محدود سے محدود شعبہ اور تعلیم و تربیت کے چھوٹے سے چھوٹے گوشہ سے لے کر دارالعلوم اور ندوۃ العلماء کے کاموں اور قومی و ملی مسائل تک انکی رہنمائی، تربیت اور اتالیقی، یکساں میری شریک حال رہی ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس موقر مجلس میں جگہ پانے اور علم و دین کی ٹوٹی پھوٹی خدمت کی توفیق کا ظاہری سبب انکی شفقت و تربیت اور نگرانی تھی جو ۹-۱۰ سال کے سن یتیمی سے لے کر ۴۸ سال کے سن کہولت تک برابر رفیق رہی، مشیت الٰہی اور سنت و جہریہ ہے کہ میں ہی اس فیصلہ پر راضی ہوکر اسوۂ صدیقی و مرتضوی کی پیروی میں یہ فرض انجام دوں حادثہ کی ذاتی نوعیت سے قطع نظر کرکے جو عمر بھر کا داغ اور سینہ کا چراغ ہے ان کے اس عزیز ادارہ اور تحریک سے طویل و قدیم تعلق اور اس خسارہ کی نوعیت کا ذکر کروں جو اُن کی وفات سے ملت کو پہونچا ہے کہ یہی مخلصانہ و بے لوث دینی خدمات اس دنیا سے جانے والے کا زادِ راہ اور توشۂ آخرت ہے۔ ما عندکم ینفد وما عند اللہ باق، ولنجزینّ الذین صبروا اجرھم باحسن ما کانوا یعملون ۔

حضرات! ندوۃ العلماء اور اس کے روشن ضمیر و بالغ نظر بانیوں اور کارکنوں نے آج سے ۶۰-۷۰ برس پیشتر قدیم و جدید کے خوشگوار امتزاج اور دین و دنیا کی متوازن جامعیت کا جو خواب دیکھا تھا، اور جو خواب ہی کی طرح اس عملی زندگی میں (جو صدیوں سے ان

www.abulhasanalinadwi.org

دونوں کی تفریق ہی کی نہیں بلکہ تضاد کی قائل ہے) ایک غیر عملی اور بعید از قیاس بات سمجھی جاتی تھی، ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس خواب کی عملی تفسیر اور ندوۃ العلماء کے تخیل کی زندہ تصویر تھے، قدیم و جدید کے محاسن اور دین و دنیا کے فضائل کا ایسا نادر مجموعہ شاذ و نادر ہی اس عصر و نسل میں دیکھنے میں آیا ہوگا، ان میں علوم جدیدہ کی حقیقت پسندی اور بے تعصبی، علوم قدیمہ کی پختگی و گہرائی، نسل قدیم کا ذوق اتباع سنت اور وضعداری، نسل جدید کا ذوق جستجو و جرأت تجربہ بیک وقت جمع تھے، میرے شعور کے تقریباً چالیس برس انکی خدمت میں گذرے ہیں اور میں نے انکو اتنے قریب سے دیکھا ہے جتنے قریب سے کسی انسان کا کسی انسان کو دیکھنا ممکن ہو، اسی کے ساتھ تقدیر الٰہی نے مجھے عالم اسلام کی اتنی شخصیتوں اور اداروں سے واقفیت کے مواقع بہم پہونچائے جو آسانی کے ساتھ ہر ایک کو میسر نہیں آتے اس علم و تجربہ کی بنا پر میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے جمود و تجدد کے درمیان ایسا نقطۂ اعتدال جیسی انکی ذات تھی کہیں نہیں دیکھا، ان کا خداداد ذہن سلیم افراط و تفریط اور انتہا پسندی سے نفرت کیا کرتا تھا، وہ ذاتی زندگی میں حیرت انگیز طریقہ پر سادہ، متقشف اور زاہد واقع ہوئے تھے، لیکن علم و مطالعہ، اپنی ثقافت (کلچر) اپنے اصلاحی و تعلیمی خیالات میں بڑے حقیقت پسند اور وسیع النظر تھے، انھوں نے اپنی معاشرت اور معاملات میں ایسے اتباع سنت کا نمونہ قائم کیا جس کی مثال علماء و مشائخ کے یہاں بھی مشکل سے ملے گی، لیکن علم و ادب، نصاب و نظام تعلیم اور اجتماعیات و سیاسیات میں وہ ہر صحیح نقطۂ نظر اور ہر مفید بات کو قبول کرنے کے لئے تیار رہتے تھے، انکی رائے اور انکے خیالات وقتی واقعات و حوادث اور عجلت و سطحیت کا نتیجہ نہیں ہوتے تھے، اس لئے ان میں بہت کم تبدیلی کی ضرورت پیش آتی تھی، اس بارے میں انکے ذہن سلیم نے جو انکو اپنے والد ماجد سے ورثہ میں ملا تھا، ہمیشہ رہنمائی کی اور ان کو جادۂ اعتدال پر قائم رکھا، نصاب و نظام تعلیم، تصوف و اصلاح باطن، تقلید و اتباع سنت اور سیاسیات اسلامی کے بارے میں وہ مسلک اعتدال پر قائم تھے جو محض توفیق الٰہی کا نتیجہ اور انکی سلامت طبع کی دلیل ہے، عنفوان شباب سے انھوں نے جو رائے قائم کی تھی، آخر عمر تک اس میں تبدیلی کی ضرورت نہیں آئی اور ان کو اپنی عمر کے کسی مرحلہ میں کسی خیال سے تائب ہونے کی ضرورت نہیں پڑی۔

ظاہری طور پر بھی ان کی ذات جامعیت کا عجیب نمونہ تھی، ایک طرف وہ دارالعلوم ندوۃ العلماء اور اسکے نامور فاضل اساتذہ کے بڑے ذی استعداد طالب علم، دارالعلوم دیوبند کے دورۂ حدیث کے ممتاز فاضل اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کے عزیز شاگرد تھے اور انکی استعداد ان تمام قدیم علوم و مضامین میں جو قدیم نصاب تعلیم میں داخل تھے، نہایت پختہ تھی جس کا مجھے اپنی طالب علمی اور معلمی میں ذاتی تجربہ ہے، دوسری طرف وہ سائنس کے بڑے کامیاب طالب علم تھے اور بی، ایس، سی کے امتحان میں پورے کیننگ کالج میں اول اور پوری الہ آباد یونیورسٹی میں دوسری پوزیشن حاصل کرنے اور دو دو امتیازی تمغوں کے مستحق قرار پاتے ہیں، ایک طرف وہ طب قدیم کے پورے فاضل اور اس میں مسیح الملک حکیم اجمل خاں کے معتمد تھے، دوسری طرف میڈیکل کالج لکھنؤ کی طالب علمی کے زمانہ ہی میں کالج کے انگریز پرنسپل اور لائق اساتذہ کی نظر میں ممتاز اور لائق اعتماد تھے، پھر انھوں نے اپنے فطری ذوق مطالعہ اور تلاش حقیقت کی بنا پر دوسرے جدید طبی نظاموں کا مطالعہ کیا اور ان کے مفید طریقہائے علاج کو قبول کیا، طب کے مطالعہ میں وہ آخر وقت تک جدید تحقیقات سے واقف رہنے کی کوشش کرتے رہتے تھے، ایک طرف وہ اپنے محلہ کی مسجد کے امام، عالم و فقیہ، ندوۃ العلماء کے ناظم اور حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے مسترشد و مرید تھے، دوسری طرف وہ ایک گریجویٹ، ڈاکٹر اور اس عہد انقلاب و معاشرہ جدیدہ کے ایک باخبر اور صاحب نظر رکن تھے، اس جامعیت کی مثالیں اس زمانہ میں کتنی ملیں گی!۔

یوں کہئے کس نے بہم ساغر و سنداں دونوں ؛

ان صفات و علمی کمالات کے ماسوا انکی ایک بڑی صفت اور زندگی کا جوہر انکی دینی حمیت، عالم اسلام کی فکر اور اجتماعی خدمت کا ذوق و سلیقہ ہے، میں نے گوشہ نشین زندگی اور انفرادی فرائض کی مشغولیت کے ساتھ عالم اسلام کی دینی فکر مندی اس سے

www.abulhasanalinadwi.org

اتنی وسیع اور گہری واقفیت اور اسکے حالات و تغیرات کے تتبع کا ایسا ذوق نہیں دیکھا، ان کا اس ارشاد نبوی پر یقین اور عمل تھا کہ من لم یھتم بامر المسلمین فلیس منھم (جس کو مسلمانوں کے معاملہ کی فکر نہ ہو وہ ان میں سے نہیں ہے) فلسطین کا جہاد ہو یا الجزائر کی جنگ، ان کا دل اس سے متعلق تھا، اور ایک بعید الوطن مسلمان پر انکے بارے میں جو حقوق عائد ہوتے ہیں ان کو ادا کرنے کی فکر تھی، عالم اسلام میں پیش آنے والے خوش کن یا رنجدہ حادثہ سے وہ اسی طرح متاثر ہوتے تھے جیسے وہاں رہنے والا درد مند و فکر مند مسلمان، جزیرۃ العرب، حجاز مقدس اور حرمین شریفین سے ان کو ایسا گہرا قلبی تعلق تھا جو میں نے دینی حلقوں میں بھی بہت کم دیکھا ہے، عربوں سے ان کو عقلی اور جذباتی دونوں طرح کا لگاؤ تھا اور ان کو انکی مذمت یا تحقیر گوارا نہ تھی، اس بارے میں ہم انکی ذکاوت حِس سے واقف تھے اور اس کا لحاظ رکھتے تھے، اسکے باوجود ترکوں سے بھی انکو محبت تھی اور جب کبھی ان کے دینی رجحان یا اسلام کی طرف قومی پیمانہ پر بازگشت کی اطلاع ملتی تو وہ بیحد مسرور ہوتے، اسرائیل کے بارے میں وہ اپنے جذبات سے مجبور تھے اور یہاں انکی دینی حمیت کا بے تکلف اظہار ہو جاتا۔

اس دلچسپی اور تعلق قلبی کی وجہ سے ان کو شروع سے جزیرۃ العرب اور عالم اسلام کے حالات کے مطالعہ کا اہتمام رہا، طالب علمی ہی کے دور میں انھوں نے والد ماجد کی فرمائش پر جزیرۃ العرب کے جغرافیہ پر عربی میں ایک کتاب لکھی تاکہ وہ دار العلوم کے نصاب میں داخل ہو، اور بڑی محنت سے ان مقامات کی تحقیق و نشاندہی کی جن کا حدیث و سیرۃ میں تذکرہ آتا ہے اور نقشے تیار کئے، مگر اپنے اسی طالب علمانہ ذوق کی بنا پر انھوں نے اسکی اشاعت میں عجلت نہیں کی، انکو اس کا خیال تھا کہ جغرافیہ عرب پر جو نئی کتابیں مشرق وسطی میں شائع ہوئی ہیں ان سے بھی استفادہ کریں، لیکن مشغولیت اور ذمہ داریوں کی بنا پر اسکی نوبت نہ آئی، اس موضوع پر ہم سب لوگوں کا مرجع وہی تھے، عزیزی مولوی محمد رابع ندوی سلمہ استاذ دار العلوم نے جب دار العلوم میں عالم اسلام اور عالم عربی کے جغرافیہ کا درس شروع کیا اور اس پر ایک کتاب کی

تصنیف کا ارادہ کیا تو انھوں نے ہمیشہ اس موضوع میں رہنمائی کی اور جب وہ کتاب لکھی گئی تو اس کو لفظاً لفظاً پڑھ کر قیمتی مشورے دیئے، اسی ذوق کا نتیجہ تھا کہ عالم اسلام کے مختلف حصوں کے اخبارات و رسائل وہ بڑے اہتمام سے پڑھتے تھے اور کہا جا سکتا ہے کہ ان سے بڑھ کر عالم اسلامی کا جاننے والا (بہادر یار جنگ کے بعد) ہندوستان میں کوئی نہ تھا، انھوں نے اس زمانہ سے عربی اخبارات کے مطالعہ کا اہتمام کیا اور انکے حصول کی فکر کی جب ہندوستان میں یہ ذوق ہی نہ تھا، زندگی کے آخری ایام تک انکا یہ اہتمام اور ذوق باقی رہا۔

حضرات! اپنی ان وسیع و متنوع صلاحیتوں اور خصوصیتوں کی بنا پر ندوۃ العلماء کی جیسی جامع و عالمگیر تحریک و تخیل کی رہنمائی اور سربراہی کے لئے انکی شخصیت موزوں ترین شخصیت تھی، اللہ تعالیٰ کا یہ خاص فضل و احسان تھا کہ ایسے نازک دور میں جب بے لوث و رضاکارانہ طریقہ پر خدمت کرنے کے لئے معمولی صلاحیتوں کے آدمیوں کا ملنا دشوار تھا، ایسی جامع و متوازن شخصیت ندوۃ العلماء کی نظامت کے لئے دستیاب ہو گئی۔

یہ عجیب اتفاق ہے کہ ان کا سال پیدائش ۱۳۱۱ھ (۱۸۹۳ء) اور ندوۃ العلماء کا سن تاسیس ایک ہے، اس طرح وہ ندوۃ العلماء کی تحریک کے معاصر و ہم عمر ہیں، اور اس میں شک نہیں کہ انھوں نے اس رفاقت و ہم عمری کا حق ادا کر دیا، انکو ندوۃ العلماء کی خدمت کا بھی ایسا طویل زمانہ ملا جو اسکے کسی ناظم اور کارکن کو نہیں ملا تھا، وہ ۲۰؍دسمبر ۱۹۲۳ء کو رکن، ۴؍اکتوبر ۱۹۲۸ء کو نائب ناظم اور ۹؍جون ۱۹۳۱ء کو مستقل ناظم منتخب ہوئے اور ۷؍مئی ۱۹۶۱ء (انتقال کے دن) تک وہ مسلسل ناظم رہے اس طرح انکی نظامت کا زمانہ پورے تیس سال کا ہے، یہ دور ندوۃ العلماء ہی کی تاریخ کا نہیں بلکہ پورے ملک کی تاریخ کا وہ نازک و پر آشوب زمانہ ہے جس نے تاریخ کا ایک عظیم ترین انقلاب اور متعدد اہم ترین حوادث اور تغیرات دیکھے، مسلمانوں کے حالات میں بڑی بڑی تبدیلیاں واقع ہوئیں، بہت سے ادارے ان حوادث و انقلابات کی نذر ہو گئے، مگر ان کے اس دور نظامت میں نہ صرف

www.abulhasanalinadwi.org

ندوۃ العلماء کا وجود بفضلہ تعالیٰ قائم رہا بلکہ اس نے اس مدت میں وہ ترقی کی جو کبھی پچھلے دور میں اس کو نصیب نہیں ہوئی تھی، ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔ اس میں بظاہر اسباب آپکی مستقل مزاجی بے غرضی، اصابت رائے اور وسیع القلبی کو بہت بڑا دخل تھا، طلبہ کی تعداد، رجوع عام، جدید عمارتوں کی تعمیر، شہرت و قبولیت، ہر لحاظ سے ندوۃ العلماء نے اس دور میں ترقی کی ہے، خاص طور پر اس عہد کا قابل ذکر تغیر وہ کھلا ہوا دینی رجحان ہے جو نمایاں طریقہ پر اسی دور میں پیدا ہوا ہے اور جس کے وہ خاص طور پر خواہشمند اور اسکے لئے فکرمند تھے اور ممکن تدابیر سوچتے رہتے اور ہم لوگوں کو مشورہ دیتے رہتے تھے، انھیں کے دور نظامت میں دور جدید کے مقبول و نامور مصلح و داعی حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ لکھنؤ تشریف لائے اور ایک ہفتہ مکمل دارالعلوم میں قیام فرمایا، جس کی ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بڑی مسرت تھی اور وہ ہمیشہ اس کو دارالعلوم کے لئے فال نیک اور ایک نئے دور کا آغاز سمجھتے تھے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ واقعہ اور زمانہ ندوہ کی تاریخ میں حد فاصل کی حیثیت رکھتا ہے، آخر تک وہ دارالعلوم کے طلبہ کے دینی رجحانات اور تبلیغی دلچسپیوں سے خوش ہوتے، انکو ترقی دیتے اور انکی پرورش کی فکر رکھتے رہے، تبلیغ و اشاعت اسلام سے انکو شروع ہی سے بڑا شغف تھا اور انکی تمنا تھی کہ وہ اسکے لئے اپنی عمر وقف کردیں۔ ندوۃ العلماء کا شعبہ اشاعت اسلام جو پسماندہ اقوام میں کام کرتا رہا محض انکی دلچسپی اور فکرمندی سے قائم رہا، جب دارالعلوم کے اساتذہ و طلبہ نے تبلیغی کام سے دلچسپی لینی شروع کی تو انکی دیرینہ آرزو برآئی اور وہ آخر تک اسکے قدردان و سرپرست رہے۔

اس دور نظامت کا دوسرا قابل ذکر واقعہ جس نے دارالعلوم کے تعلیمی حالات و رجحانات پر گہرا اثر ڈالا ہے، علامہ شیخ تقی الدین الہلالی المراکشی کی آمد اور دارالعلوم میں بحیثیت استاذ اعلیٰ ادب عربی ان کا تقرر ہے، کہا جاسکتا ہے کہ کسی استاذ نے دارالعلوم کو علمی و ادبی طور پر اتنا متاثر نہیں کیا جتنا شیخ تقی الدین الہلالی نے، انھوں نے اپنے چند سال کے قیام میں دارالعلوم میں عربی انشاء پردازوں اور ادیبوں کی ایک نسل پیدا کردی، مولانا مسعود عالم صاحب ندوی مرحوم، مولانا محمد ناظم صاحب ندوی شیخ الجامعۃ العباسیہ بھاولپور، مولانا ابو اللیث صاحب ندوی اور دوسرے نوجوان عالم و ادیب اسی دور کی پیداوار ہیں، اسی دور میں عربی کا رسالہ الضیاء نکلا جس نے ممالک عربیہ کے نامور ادیبوں سے بھی داد تحسین حاصل کی، اسی وقت سے عربی ادب و زبان کی تعلیم کا دارالعلوم میں نیا دور اور نیا طرز شروع ہوا، علامہ ہلالی کی آمد اور انکی خوش دلی اور سرگرمی میں ڈاکٹر صاحب کا خاص اور سب سے بڑا حصہ ہے، آج بھی وہ اعتراف کرتے ہیں کہ انکا لکھنؤ کا قیام اور دارالعلوم کا تعلق ڈاکٹر صاحب علیہ الرحمۃ اور سید صاحب علیہ الرحمۃ کی ہمت افزائی اور تعاون کا نتیجہ ہے بہت کم حضرات کو معلوم ہوگا کہ جب سنہ ۱۹۳۱ء میں جلسہ انتظامی نے مالی مشکلات کی بناء پر ہلالی صاحب کی خدمات جاری رکھنے سے معذرت کردی تو ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ ہفتہ تک اُن کے مصارف کا بار اپنے ذمہ لیا، سید صاحب تو زیادہ تر اعظم گڈھ تشریف رکھتے تھے، ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی ہلالی صاحب کے قیام اور ان کے سکون خاطر کا سبب تھے، یہاں تک کہ دوسرے جلسہ انتظامی نے دوبارہ ان کا تقرر کیا۔

اس طرح دارالعلوم کے دو بنیادی اور اہم تغیرات اور دو مبارک رجحانات دینی و علمی انکے دور نظامت کا واقعہ اور ان کے حسنات میں شامل ہیں۔ یہ تو دو نمایاں تبدیلیاں اور ترقیاں ہیں جن کو ندوہ کا مورخ فراموش اور نظر انداز نہیں کرسکتا لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس طویل دور کے ہر اچھے تغیر و ترقی اور ہر اصلاح میں انکی ذات بلاواسطہ یا بالواسطہ شریک و دخیل رہی ہے، انھیں کی تحریک اور کوشش سے دارالعلوم میں زبان و ادب کی جدید و مفید کتابیں درس میں داخل کی گئیں، انھیں کی رہنمائی اور ہمت افزائی سے جدید نصاب کی کتابیں تصنیف ہوئیں، انھیں کی تحریک اور حکم سے حدیث کی بعض وہ کتابیں داخل نصاب ہوئیں اور انکی اشاعت ہوئی جن میں ایمان و یقین، فضائل اعمال اور محاسن اخلاق پر زور دیا گیا ہے پھر ان کا ہندوستان میں عام چرچا ہوا، وہ نصاب و نظام کے مسائل سے لیکر انتظامی جزئیات تک یکساں باخبر اور ان پر حاوی تھے۔

www.abulhasanalinadwi.org

انشاء اللہ آئندہ بھی اس ادارہ میں جو کچھ ترقیاں اور اس کے ذریعہ خیر کی صورتیں پیدا ہونگی، انکی ذات بانی سرپرست اور ایک مخلص کارکن کی حیثیت سے اسکے اجر و ثواب میں شریک رہے گی۔

حضرات! میں نے مجلس انتظامی کی روایات اور رسم و رواج کے خلاف اس موضوع پر جواب تاریخ کا ایک واقعہ اور عہد ماضی کا ایک یادگار بن کر رہ گیا ہے، کچھ زیادہ درازنفسی اور تفصیل و اطناب سے کام لیا ہے، مجھے اس سے انکار نہیں کہ اس میں میرے ذاتی تعلق و تاثر کو بھی دخل ہوگا، اس تعلق و تاثر کے لئے نہ شرمندہ ہوں، نہ معذرت خواہ، بلکہ آپ کو بھی اس میں شریک سمجھتا ہوں، ان کے حادثہ وفات کو ایک خاندان کا حادثہ سمجھتا ہوں، اور آپ کو ندوہ کے تعلق سے بھی، اسلام کے تعلق سے بھی علم و دین اور مشترک مقاصد کے تعلق سے بھی اس خاندان کا رکن تصور کرتا ہوں، اگر میں نے اس مقصد کے لئے کچھ زیادہ وقت لے لیا ہے تو میرے لئے تسکین کی یہ بات ہے کہ وہ اسکی یاد میں بسر ہوا جس نے ثلث صدی تک علم و دین اور مسلمانوں کی بے لوث اور خاموش خدمت کی ہے، وہ یاد جو اپنے اندر اس نسل اور عصر کے لئے بہت سے فوائد، عبرتیں اور سبق رکھتی ہے۔

بحرفے می توان گفتن تمنائے جہانے را
من از شوق حضوری طول دادم داستانے را

رفقائے کرام! ہم کو ان سب مرحومین کے لئے دعا کرنی چاہیئے جو کل تک ہمارے ہم نشین اور اس مجلس کے رکن رکین تھے، جنھوں نے اپنی صلاحیتوں، توجہات، اثرات، تعلقات و اوقات سے ہمیشہ اس ادارہ کی مدد کی، اسکے مسائل و مشکلات کے حل کرنے میں ہاتھ بٹایا، اور یہ کہ اس دور میں ایک ایسے کام کے لئے وقت نکالا اور تکلیف اٹھائی جس سے کوئی مادی نفع یا دنیاوی اعزاز نہ تھا، نیز ان سب بزرگوں اور بھائیوں کے لئے مغفرت کی دعا کرنی چاہیئے جو ہم سے پہلے اپنی منزل پر پہونچ گئے، کہ کل ہم کو بھی اسی منزل پر پہونچنا ہے،

ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین آمنوا ربنا انک رؤوف رحیم۔

حضرات! دارالعلوم میں طلبہ کی تعداد کے روز افزوں اضافہ کے پیش نظر جن جدید تعمیرات اور توسیع کی ضرورت تھی اس کا ایک حصہ گذشتہ سال مکمل ہو گیا تھا جس کا ذکر میں نے اپنی رپورٹ میں کیا تھا، دار الاقامہ کلاں کی بالائی منزل تعمیر ہو گئی، صرف اس کے درمیان کا ہال نامکمل ہے، اس طرح اگرچہ بڑے طلبہ کے قیام کا مسئلہ اب بھی پورے طور پر حل نہیں ہوا پھر بھی ایک بڑی تعداد کے لئے گنجائش نکل آئی، لیکن چھوٹے طلبہ کو قیام کی سخت دقت تھی وہ دارالعلوم کی اصل عمارت میں مقیم تھے جہاں اصل عمارت کو نقصان پہونچنے اور درس و تدریس میں مشکلات پیش آنے کے علاوہ صفائی، ہوا، روشنی اور حفظان صحت کے اصول کی پابندی میں بڑی دشواری تھی، اور تربیت و نظام کا اہتمام بھی مشکل تھا، اس مشکل کے پیش نظر دار الاقامہ خورد (رواق سلیمانی) کی تعمیر ضروری معلوم ہوئی اور بنام خدا دارالعلوم کی عمارت اور دار الاقامہ کلاں کے درمیان، مسجد کے محاذی مشرق میں اسکی بنیاد ڈال دی گئی، دار الطعام اور اساتذہ کے مکانات کی بھی سخت ضرورت ہے، اس پورے منصوبے کی تکمیل کے لئے کئی لاکھ روپے کی ضرورت تھی، عرصہ سے اس کا خیال تھا کہ ہندوستان سے باہر ان ملکوں میں جہاں ہندوستانی مسلمان کثرت سے آباد ہیں اور دینی اداروں کی خدمت و اعانت کا ذوق اور استطاعت رکھتے ہیں دارالعلوم کی اعانت کی تحریک کی جائے، اس سلسلہ کی ابتدا برما سے کی گئی جہاں کے بعض مخلص دوستوں نے (جن میں مولانا عبدالرحمٰن صاحب قاسمی پیش پیش تھے) اس کی تحریک اور اس کی دعوت بھی دی تھی، ۱۵ر دسمبر ۱۹۶۱ء کو یہ خاکسار مولانا محمد معین اللہ صاحب ناظر شعبہ تعمیر و ترقی کی معیت میں جو اس مسئلہ کے سب سے بڑے محرک اور اس شعبہ کے روح رواں ہیں، رنگون روانہ ہوا، وہاں کے کاروباری اور سیاسی حالات کچھ زیادہ موافق نہ تھے اور اس سلسلہ کی تکمیل کی راہ میں بہت سی مشکلات تھیں، ہمارے پاس قیام کے لئے بہت تھوڑا وقت تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے بڑی مدد فرمائی، ہمارے مخلص دوستوں نے بڑا تعاون کیا اور اسکے لئے بڑی محنت و ایثار سے کام لیا اور بہت تھوڑی سی مدت میں تقریباً ایک لاکھ چالیس ہزار کی رقم جمع ہو گئی جس کے قانونی طور پر ہندوستان منتقل ہونے کی باضابطہ کوشش کی جارہی ہے امید ہے انشاء اللہ اس میں کامیابی ہوگی۔

www.abulhasanalinadwi.org

اس سلسلہ میں ہم رنگون و مانڈلے کے مخلص و عالی ہمت احباب کے عموماً اور اپنے مخلص داعی اور سفر کے محرک مولانا عبدالرحمٰن قاسمی، اپنے مخلص میزبان حاجی احمد علی ان کے مستعد رفیق کار یونس بھائی لودھیا، اور اپنے محترم کرم فرما الحاج ایم۔ اے رشید وزیر صنعت و معدنیات برما یونین کے خاص طور پر شکر گذار ہیں۔ رشید صاحب فروری ۱۹۶۱ء میں خود لکھنؤ تشریف لائے اور دارالعلوم کو عزت بخشی، انھوں نے دارالعلوم میں برما سے طلبہ بھیجنے کی بھی تحریک کی ہے، اپنی آمد کے موقع پر بھی انھوں نے بہت سے مفید مشورے دئیے اور اپنے تعاون و دلچسپی کا یقین دلایا، امید ہے کہ یہ سفر دونوں ملکوں کے علمی و دینی روابط کے قیام اور دارالعلوم کے لئے مادی و معنوی حیثیت سے مفید ثابت ہوگا۔

بعض دوسرے ملکوں کے سفر کا بھی خیال ہے، اس سلسلہ میں کویت سے بھی ہمارے ایک مخلص ہندوستانی کرم فرما نے آمد کی تحریک کی ہے۔

یہ کوششیں انشاء اللہ جاری رہیں گی، لیکن یہ حقیقت آپ حضرات کی نگاہ سے پوشیدہ نہ ہوگی کہ کوشش کا اصل و مستقل اور قابل اعتماد میدان ہمارا ملک ہندوستان ہی ہے، باہر کے مخلص دوستوں کی وقتی اعانت اور ہنگامی سفروں اور تحریکوں پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا، نہ انکے سہارے کسی ادارہ کو چلایا جا سکتا ہے، ہماری شدید خواہش اور آرزو ہے کہ ان ضروری و ناگزیر تعمیرات سے ہم جلد سے جلد فارغ اور سبکدوش ہو جائیں اور اپنی پوری توجہ دارالعلوم کی علمی و دینی ترقی اور استحکام پر صرف کریں، آپ حضرات پورے ملک کی نمائندگی کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو دینی و علمی اثرات عطا فرمائے ہیں۔ اگر آپ اس مسئلہ کو "وقتی طور پر سہی" اپنا مسئلہ اور کچھ وقت کے لئے مرکز توجہ بنا لیں تو نہایت آسانی اور سرعت کے ساتھ یہ مسئلہ حل ہو جائے گا اور دارالعلوم کے کارکن اپنی صلاحیتوں کو زیادہ مفید اور موثر بنا سکیں گے اس سلسلہ میں ہمیں آپ سے اس سے زیادہ توجہ، دلچسپی، دلسوزی اور دردمندی کی توقع ہے جتنی از راہ کرم آپ اس وقت تک مبذول فرماتے رہے ہیں اور ہم اسکے معترف و شکر گذار ہیں۔

حضرات! ہندوستان کے حالات و تغیرات اور ہماری پست ہمتی و کوتاہ عملی کے نتیجہ میں اب ندوۃ العلماء کی مجلس انتظامی کی رکنیت اور اس سے وابستگی و انتساب کوئی بڑا اعزاز اور فخر

کی بات نہیں رہی۔ ایک زمانہ تھا کہ وہ ملک کی سب سے بڑی سنجیدہ و ملک گیر علمی و اصلاحی تحریک تھی، اس کی رکنیت اور اس سے وابستگی، اسکے جلسوں میں شرکت اور ان میں نمایاں مقام حاصل کرنا عزت و عظمت کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا، آج اسکے جلسوں میں وہ کشش نہیں ہے کہ وہ دوسری ریاستوں کو چھوڑ کر اسی صوبہ کے مختلف اضلاع کے ارکان کو سفر کی زحمت اور مالی بار برداشت کرنے پر آمادہ کر سکیں، مگر واقعہ یہ ہے کہ خلوص اور دینی جذبہ ہی کسی ادارہ یا تحریک سے وابستہ ہونا اور اس میں تعاون کرنا جس کی قیمت اور جس کا صلہ خدا تعالیٰ ہی عطا فرما سکتا ہے اور جس کا نتیجہ زمانہ مستقبل میں اور تعمیری کاموں کے میدان ہی میں دیکھا جا سکتا ہے، بڑے خلوص اور دینی فراست کی دلیل اور بڑے عزم اور ایثار کا امتحان ہے، جو مقاصد اس عظیم ادارے کے پیش نظر ہیں، جو آثار اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نظر آنے لگے ہیں اور جامع حیثیات روشن ضمیر اور وسیع النظر علماء کی جتنی سخت احتیاج اس وقت سارے عالم میں محسوس کی جا رہی ہے اس سب کے پیش نظر آپ اس کی مجالس کی شرکت اسکے منصوبوں کی تکمیل، اسکی ضروریات کی فراہمی پر جو فکر اور جو وقت صرف فرمائیں گے وہ وقت کا ایک اہم کام اور بہت بڑی دینی خدمت ہوگی ان خصوصیات کے پیش نظر پہلے بھی آپکے موثر تعاون، گہری دلچسپی اور عملی امداد کی ضرورت تھی، اب جبکہ اسکے اندر ایک عظیم خلا پیدا ہو گیا ہے اور ہم ایک آزمودہ کار، صاحب نظر و صاحب اخلاص رہنما و کارکن کی خدمات و رہنمائی سے محروم ہو گئے ہیں، آپ کی مدد اور رہنمائی کی شدید تر احتیاج پیدا ہو گئی ہے ہمیں امید ہے کہ آپ اس سے دریغ نہ فرمائیں گے وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

۵۱
۲۹۲۰۱
محاضرات

www.abulhasanalinadwi.org